93 Soorah ZUHAA

سورۂ ضحیٰ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں گیارہ آیتیں ہیں

ماقبل سے ربط سورت ماقبل سے اس کا ربط اور مناسبت اس طرح ہے کہ ماقبل سورت کی طرح اس سورت شریفہ کا آغاز بھی قسموں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ اور بظاہر یہی نہار و لیل کی قسم اس میں بھی دی جارہی ہے۔ نیز سورت ماقبل میں حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار ثانی اثنین اذ ھما فی الغار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات صوری و معنوی کا بیان ہوا تھا۔ جو دراصل حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات عالیہ کا ایک شمہ بلکہ پرتو تھا۔ اس سورت شریفہ میں خود حضور مفخر موجودات علیہ افضل التحیات واز کی التسلیمات کے صفات جلیلہ اور مناقب فاضلہ کا بیان آرہا ہے۔ تاکہ حضور اکرم کے ساتھ جو قرب و اتصال حضرت صدیق اکبرؓ کو اس عالم میں (سفر میں، حضر میں بلکہ غار میں تک) حاصل تھا اور جو شرف معیت عالم برزخ میں یعنی روضۂ اطہر اور مرقد انور میں قیامت تک کیلئے

آپ کو حاصل ہے اسی طرح قرآن کریم سے بھی معلوم ہو جائے جس سے عالم آخرت کے کمال قرب و معیت کا اندازہ ہو سکے۔

شان نزول شان نزول کے بارے میں روایات مختلف ہیں جو حسب ذیل ہیں

۱ حضرت جندب بجلیؓ فرماتے ہیں:۔ اشتکی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یقم لیلتین او ثلاثا فاتتہٗ امرأۃ فقالت یا محمد ما اری شیطانك الا قد ترکك لم نرہ قربك لیلتین او ثلاثا فانزل اللہ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعك ربك وما قلیٰ ۔(امام احمدؒ عبد بن حمید' بخاری' مسلم' ترمذی' نسائی' ابن جریر' طبرانی' بیہقی' ابو نعیم) حضرت نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحی فداہ بیمار ہو گئے جس کے باعث دو تین رات تہجد کے لئے اٹھ نہ سکے تو ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی (العیاذ باللہ) کہ محمدؐ! میں آپ کے شیطان کو نہیں دیکھ رہی ہوں یہی سمجھتی ہوں کہ اس نے آپ کو چھوڑ دیا ہے ہم نے اسکو دو تین راتوں سے نہیں دیکھا۔ اس وقت یہ سورت شریفہ نازل ہوئی :۔ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ما ودعك ربك وما قلیٰ "۔ دوسری روایات میں صراحت ہے کہ ایسا کہنے والی عورت آپکی بنت عم حمالۃ الحطب زوجۂ ابولہب تھی۔ چنانچہ روایت ذیل سے اس کی تائید ہوتی ہے :۔

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت تبت یدا ابی لھب وتبّ ما اغنی عنہ مالہ وما کسب سیصلی ناراً ذات لھب وامرأتہ حمالۃ الحطب فقیل لامرأۃ ابی لھب ان محمدا قد ھجاک فاتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو جالس فی الملأ فقالت یا محمد علام تھجونی قال انی واللہ ما ھجوتک ما ھجاک الا اللہ فقالت ھل رأیتنی احمل حطبا اورأیت فی جیدی حبلا من مسد ثم انطلقت فمکث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاما لا ینزل علیہ فاتتہ فقالت ما اری صاحبک الا قد ودعک وقلاک فانزل اللہ والضحی واللیل اذا سجی ما ودعک ربک وما قلی۔ (حاکم) جب سورۂ تبت یدا ابی لھب نازل ہوا جس میں یہ بیان ہے کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں یا خاک آلود ہوں اس کا مال اور اسکی ساری کمائی اس کے کچھ کام نہ آئے گی۔ اور اس کی جورو جو سوکھی جلانے کی لکڑیاں اٹھایا کرتی ہے اس کی گردن میں بٹی ہوی رسی ہوگی" تو ابولہب کی بیوی سے کہنے والوں نے کہا کہ محمدؐ نے تمھاری ہجو کی ہے۔ اس پر وہ مشتعل ہوکر حضرت رسول دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی جب کہ آپ اپنے اصحاب کبار کے ساتھ تشریف فرما تھے اور کہنے لگی کہ محمد! کس بنا پر آپ میری ہجو کیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔

خدا کی قسم! میں نے تمھاری ہجو نہیں کی۔ اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی نے تمھاری ہجو نہیں کی"۔ اس نے کہا کیا کبھی آپ نے دیکھا ہے کہ میں جلانے کی لکڑیوں کا گٹھا لایا کرتی ہوں یا یہ دیکھا ہے کہ میری گردن میں بٹی ہوئی رسی رہتی ہے؟ یہ کہہ کر چلی گئی۔ اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ آپ پر چند روز تک وحی نہیں آئی۔ تو وہ عورت دوبارہ آئی اور کہنے لگی کہ میں تمھارے رفیق (جبرئیل علیہ السلام) کی نسبت یہی یقین کرتی ہوں کہ اس نے آپ کو چھوڑ دیا اور ناراض ہوگیا" اس وقت والضحیٰ واللیل اذا سجی ما ودعک ربک وما قلیٰ نازل ہوا کہ وقت چاشت کی قسم! اور رات کی قسم جبکہ وہ ہر چیز کو ڈھانک لے آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑ دیا اور نہ آپ سے ناراض ہوا"

وحی نہ آنے کا حال جب مشرکین کو معلوم ہوا تو ان میں بھی چرچے ہونے لگے اور بغلیں بجانے لگے۔ ادھر سرکار دو جہاں پر ہر چیز گراں گزرنے لگی۔ شدہ شدہ یہ صورت حال حضرت ام المومنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منکشف ہوئی تو ام المومنین نے بھی ایک دن دریافت کیا۔ چنانچہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ابطأ جبریل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجزع جزعا شدیدا فقالت خدیجۃ اری ربک قد قلاک مما یری من جزعک فنزلت والضحی الی آخرھا۔ (ابن جریر، ابن المنذر) جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں کچھ دنوں تاخیر ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑا

اس کا بہت اثر ہوا اور آپ گھبرا اٹھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا آپ کی اس گھبراہٹ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پروردگار کو آپ سے کچھ ناراضی سی ہو گئی ہے۔ اسی وقت سورۂ والضحیٰ آخر تک نازل ہوئی کہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ آپ کے پروردگار نے نہ آپ کو چھوڑ دیا اور نہ کسی طرح ناراض ہوا۔

مرض جس کے باعث آپ چند راتوں تک تہجد کے لئے قیام نہ فرما سکے اس کی نسبت حضرت جندبؓ ہی کی دوسری روایت میں تصریح ہے:۔ رمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحجر فی اصبعہ فقال

هل انت الا اصبع دميت   وفي سبيل الله ما لقيت

فمكث ليلتين او ثلاثاً لا يقوم فقالت له امرأة ما ارى شيطانك الا قد تركك فنزلت والضحى والليل اذا سجى ما ودعك ربك وما قلى۔

(ترمذی بروایت صحیحہ، ابن ابی حاتم) حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی نے پتھر پھینک دیا جس سے آپ کی انگشت مبارک زخمی ہو گئی۔ اس کے درد کے باعث آپ دو تین رات تہجد کے لئے اٹھ نہ سکے اور یہ اپنی انگشت مبارک سے خطاب کر کے فرماتے تھے کہ تو تو صرف ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے۔ کچھ راہ خدا (جہاد فی سبیل اللہ) میں تجھے یہ پتھر نہیں لگا؟ یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ

ما القیت میں ما نافیہ لیا جائے۔ اور اگر اس کو موصولہ قرار دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ تو صرف ایک انگلی ہے جس کو پتھر لگا ہے۔ خیال تو کر کہ راہ خدا میں یہ پتھر لگنے کے صلے میں تجھے کتنا اجر عظیم ملا ہے۔ اس اجر عظیم کے مقابلہ میں یہ تھوڑی سی تکلیف کیا حیثیت رکھتی ہے؟

۲۔ حضرت خولہؓ جو حضرت رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ اور کاشانۂ مبارک میں جھاڑو جھٹکا دیا کرتی تھیں فرماتی ہیں:۔ ان جروا دخل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل تحت السریر فمات فمکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ ایام لا ینزل علیہ الوحی فقال یا خولۃ ماحدث فی بیت رسول اللہ جبریل لا یأتینی فقلت فی نفسی لو ھیأت البیت وکنستہ فاھویت بالکناسۃ تحت السریر فاخرجت الجرو فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترعد لحیتہ وکان اذا نزل علیہ اخذتہ الرعدۃ فانزل اللہ والضحی الی قولہ فترضیٰ۔ (ابن ابی شیبہ طبرانی) ایک کتے کا بچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت خانہ مبارک میں آ گیا اور تخت کے نیچے گھس کر مر گیا۔ ادھر چار روز گزر گئے کہ حضرت نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی آنی موقوف ہو گئی۔ حضورؐ نے فرمایا:۔۔۔

خولہ یا رسول اللہ کے گھر میں کیا نئی بات نمودار ہوئی کہ جبرئیل میرے پاس نہیں آرہے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میں گھر کو جھاڑتی اور صاف کرتی تو ٹھیک ہوتا۔ پھر میں تخت کے نیچے جھاڑو دینے لگی اور اس کے نیچے سے کتے کا بچہ برآمد کیا۔ اتنے میں حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے درحالیکہ آپ کی ریش مبارک سے کپکپی کے آثار پائے جاتے تھے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے والضحیٰ سے فترضیٰ تک آیات کریمہ اس وقت نازل فرمائیں۔

سگ بچہ کا واقعہ قرین قیاس نہیں معلوم ہے کہ نزول وحی کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسے آثار نمودار ہوتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ قصۃ ابطاء جبرئیل بسبب الجرو مشہورۃ لکن کونھا سبب نزول الآیۃ غریب بل شاذ مردود لما فی الصحیح۔ (مظہری) جبرئیل علیہ السلام کی آمد میں چند روز کی تاخیر کا واقعہ کتے کے بچے کے باعث عام طور پر مشہور اور زباں زد ہے لیکن یہ آیات کریمہ اس سبب سے نازل ہوئیں کہنا ایک نادر بات ہے بلکہ خلاف قیاس اور رد کرنے کے قابل ہے۔ اصل واقعہ وہی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ سے اوپر نقل ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

وحی کتنے دن منقطع رہی؟ پھر اس میں بھی روایات مختلف ہیں کہ سلسلہ وحی

کتنے دن تک منقطع رہا۔ جو روایات اوپر مذکور ہوئیں ان میں دو تین دن، چار دن کا ذکر ہے۔ حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ بارہ دن تک وحی نہیں آئی۔ حضرت مقاتل کا قول ہے کہ چالیس دن گزر چکے تھے۔ بہرحال چند روز یوں ہی گزر گئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب جبرئیل علیہ السلام آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یاجبرئیل ماجئت اشتقت الیك فقال جبرئیل انّی کنت اشدّ شوقا الیك ولٰکنّی عبد مامور بما انزل اللّٰہ وما نتنزّل الا بامر ربّك جبرئیل! آپ کئی دنوں سے نہیں آئے ہیں آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا میں بھی آپ سے ملنے کا زیادہ تر اشتیاق رکھتا تھا لیکن میں بندہ ہوں حکم کا منتظر۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں صراحت فرمادی ہے:۔ وما نتنزّل الا بامر ربّك۔ ہم آپ کے پروردگار کے امر کے بغیر اتر ہی نہیں سکتے۔"

والضحیٰ سے آخر قرآن تک تلاوت کا طریقہ

حضرت ابوالحسن بزی مقری فرماتے ہیں:۔ سمعت عکرمۃ بن سلیمان یقول قرأت علی اسماعیل بن قسطنطین فلما بلغت والضحی قال کبر عند خاتمۃ کل سورۃ حتی تختم فانی قرأت علی عبد اللہ بن کثیر فلما بلغت والضحی قال کبر حتی تختم واخبرہ عبد اللہ بن کثیر انہ قرأ علی مجاھد فامرہ بذلک واخبرہ مجاھد ان ابن عباس رضی اللہ عنہما امرہ بذلک واخبرہ ابن عباس ان ابی بن کعب امرہ بذلک واخبرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرہ بذلک

(حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی) میں نے اپنے استاذ حضرت عکرمہ بن سلیمان سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے استاذ حضرت اسماعیل بن قسطنطین کے پاس قرآن ختم کیا جب والضحیٰ کے پاس پہنچا تو فرمایا یہاں سے ہر سورت کے ختم پر تکبیر (اللہ اکبر) کہتے جاؤ تا آنکہ قرآن کریم ختم ہو جائے۔ کیونکہ میں نے اپنے استاذ حضرت عبداللہ بن کثیر کو قرآن سنایا۔ جب والضحیٰ پر پہنچا تو فرمایا کہ قرآن ختم ہونے تک (ہر سورت کے خاتمہ پر) تکبیر کہتے جاؤ۔ ان کو عبداللہ بن کثیر نے خبر دی کہ وہ حضرت مجاہد کو قرآن سنا رہے تھے تو انھوں نے بھی ایسا ہی

امر فرمایا تھا۔ اور حضرت مجاہد نے ان کو خبر دی کہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کو ایسا حکم دیا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے ان کو خبر دی کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ایسا حکم دیا تھا۔ اور حضرت اُبی بن کعب نے ان کو خبر دی کہ حضرت نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایسا حکم دیا تھا۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔"

93-2 93-3

وَالضُّحٰی ۙ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ قسم ہے وقت چاشت کی، اور رات کی جب چھا جائے، کہ نہیں رخصت کیا آپ کو آپ کے پروردگار نے اور نہ بیزار ہوا۔"

ضحیٰ کی تفسیر جمہور مفسرین نے یہاں ضُحٰی سے وقت چاشت مراد لیا ہے کہ اس وقت سے دن کی روشنی تیز ہوتی جاتی ہے اور کائنات کی ہر چیز پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اشارہ ہے اس جانب کہ حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی تعلیمات بھی روز روشن کی طرح پھیلتی اور ترقی کرتی جائیں گی یہاں تک کہ چار دانگ عالم میں آپ کی نبوت ورسالت کا ڈنکہ بجنے لگیگا۔ اور دین اسلام کی صداقت کا سکہ بیٹھ جائے گا کوئی طاقت اس کو

روک نہیں سکتی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ دعوتِ اسلام مکہ مکرمہ سے شروع ہوی اور مدینہ منورہ میں آکر مستحکم ہوی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آیۂ کریمہ نازل ہوی:۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آج ہم نے تمھارے دین کو معراج کمال پر پہنچادیا اور اپنی پوری نعمت تم پر اتار دی اور تمھارے دین اسلام سے راضی ہوچکے" جزیرۃ العرب سے وفود آنے اور حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔

عروج اسلام پھر خلافت راشدہ کے تیس سالہ عہد میں اسلام جزیرۃ العرب سے ہر سمت میں آگے بڑھ کر کہاں کہاں تک پہنچا کہ کوئی براعظم اس سے خالی نہ رہ سکا اور آج بھی بحمد اللہ مسلمان ربع مسکون میں ہر جگہ آباد ہیں۔ اور بجائے خود باعزت زندگی بسر کررہے ہیں۔ دشمنان اسلام بہت کچھ چاہتے ہیں لیکن ان کی یہ آرزو نہ کبھی پوری ہوئی اور نہ آئندہ ہوسکتی ہے۔ جس دین مقدس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے لیا ہے وہ کونسی طاقت ہے جو اس کے ارادے کو بدل سکے اور اس کے حکم کو ٹال سکے۔ نت نئے فتنے سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح اٹھتے ہیں پھر اسی میں جذب اور فنا ہوکر رہ جاتے ہیں۔ حکم الٰہی سے ایک دن اور ایسا آنے والا ہے کہ دین اسلام شرقاً غرباً، شمالاً جنوباً پھیل جائے گا اور یہ سارے

اختلافات مٹ جائیں گے۔ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ۔ اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اپنے مرنے سے پیشتر اس پر ایمان نہ لاچکا ہو۔" یہ اہل کتاب کا حال ہے دوسرے کس شمار وقطار میں؟ جن کو کوئی آسمانی کتاب ہی نہیں دی گئی۔

ضحیٰ کی وجہ تخصیص یہاں ضحیٰ (وقت چاشت) کی قسم خصوصیت کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی وقت میں ہم کلامی کی فضیلت سے ممتاز فرمایا تھا۔ اور لشکر فرعون بھی اسی وقت میں دیکھتے دیکھتے غرق ہوا تھا۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت بھی اسی طرح دنیا کے چپہ چپہ میں پھیل کر رہے گی اور دشمنان اسلام تباہ و تاراج ہوں گے۔ الغرض یہ ضحیٰ کے حقیقی معنی ہوئے۔ رہا مجاز' اس کا دامن بہت وسیع ہے اور تاویل کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

ضحیٰ کی تفسیر میں دیگر اقوال چنانچہ بعض مفسرین کرام نے ضحیٰ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور مراد لیا ہے اور لیل سے گیسوئے مبارک۔ یہ قول حضرت امام فخر الدین رازی کا ہے جو تفسیر کبیر میں مذکور ہے۔ ؎

اے کہ شرح وَالضُّحیٰ آمد جمال روئے تو نکتۂ وَاللَّیل وصف زلف عنبر بوئے تو

اے دو چشم سرمہ کت کحل مَازَاغَ الْبَصَرُ — قَابَ قَوْسَیْنِ است رمز گوشۂ ابروئے تو
سینِ دندان تو از یٰسین نشانے می دہد — صورتِ حٰمٓ دارد حلقۂ گیسوئے تو

قبلۂ دل کعبۂ جاں یا رسول اللہ توئی
سجدۂ مسکین حسنؒ ہر لحظہ بادا سوئے تو

کسی نے ضحیٰ سے آپؐ کا ظاہر مراد لیا ہے جس میں کسی کو کسی امر میں عیب جوئی اور نکتہ چینی کی مجال نہیں اور لیل سے آپؐ کا باطن مراد لیا ہے جس پر عالم الغیب کے سوا اور کسی کو دسترس نہیں۔ اور خدائے قدوس کا آپ کی نعت شریف میں ارشاد ہے:۔ انك لعلى خلق عظيم ۔ بے شک آپ اخلاق کریمہ وعظیمہ کی معراج پر فائز ہیں" اور کسی نے ضحیٰ سے اسلام کی ترقی اور عروج اور لیل سے اس کا عکس مراد لیا ہے کہ یہی لیل ونہار ہمیشہ جاری رہیں گے خود حضور انور نے بھی فرمایا:۔ بدء الاسلام غريباً وسيعود غريباً كما بدء فطوبى للغرباء ۔ دین مقدس اسلام کا آغاز غریب الوطن اصحاب سے ہوا ہے اور آخر کار بھی انھیں غریب الوطن اصحاب میں رہ جائے گا جیسا کہ اس کا آغاز ہوا تھا۔ لہذا غریب الوطن اصحاب کے لئے کیا ہی بشارت ہے ؟ ؎

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ از روم — ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

ضحیٰ اور لیل کی عام تفسیر سورت سابق میں گزر چکی ہے اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔

ما ودعك کی تفسیر مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى آپ کے پروردگار نے نہ تو آپ کو رخصت کردیا اور چھوڑ دیا اور نہ ناراض یا بیزار ہوا" یعنی رات اور دن کا بدلنا کہ کبھی رات ہے اور کبھی دن۔ روزانہ ایسی تبدیلی ہوا کرتی ہے۔ اسمیں اللہ سبحانہ کی بے شمار حکمتیں ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہوا:۔ قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم اللیل سرمدا الی یوم القیامۃ من الہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء افلا تسمعون قل ارأیتم ان جعل اللہ علیکم النہار سرمدا الی یوم القیامۃ من الہ غیر اللہ یأتیکم بلیل تسکنون فیہ افلا تبصرون۔ آپ کہہ دیجئے کہ ذرا مجھے بتاؤ تو کہ اگر اللہ تم پر رات کو قیامت تک لگاتار مسلط کردے تو اللہ کے سوا اور کوئی ہستی ہے جو تم پر دن کی روشنی لائے؟ پھر کیا تم سنتے نہیں۔ اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تم پر دن کو مسلط کردے جو قیامت تک لگاتار دن ہی دن رہے تو اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہے جو تم پر رات لاسکے؟ پھر تو کیا تم دیکھتے نہیں؟" ومن رحمتہ جعل لکم اللیل والنہار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون۔ یہ اسی کی عام مہربانی ہے کہ تمہارے لئے رات بھی بنائی اور دن بھی تاکہ رات میں

آرام پاؤ اور دن میں اس کے فضل کی تلاش کیا کرو تاکہ اس کے شکر گزار بنے رہو۔"
جیسا کہ رات دن کی اس تبدیلی کا تعلق، اللہ سبحانہ کی رضامندی اور اس کی ناراضی
سے نہیں۔ اسی طرح وحی الٰہی کا سلسلہ جاری رکھنا اور اس کو ملتوی کرنا بھی حق سبحانہٗ
تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر مبنی ہے۔ اس کی رضا اور عدم رضا کو اس سے کوئی تعلق نہیں
آپ کے پروردگار نے چند روز تک سلسلہ وحی کو موقوف وملتوی رکھ کر نہ تو آپ کو
رخصت کردیا اور نہ آپ سے بیزار ہوا۔ اللہ پاک کو جو محبت آپ کے ساتھ ہے وہ
بدستور قائم ہے بلکہ یوماً فیوماً اور آناً فاناً اس میں ترقی اور اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔
چنانچہ اس کے بعد کی آیات کریمہ سے واضح ہوگا ارشاد ہے:۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ٥ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ 93-4 93-5
رَبُّكَ فَتَرْضٰى ٥ اور البتہ آخرت کہیں بہتر ہے آپ کے لئے دنیا سے، اور
آگے آپ کو دے گا آپ کا رب اتنا کہ آپ خوشنود اور رضامند ہو جائیں گے۔"

وللآخرۃ خیر لك کی تفسیر یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ یہ دنیا دار دنیا ہی کے
پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کے پیغمبروں کو دنیائے دوروزہ کی اس فانی آرائش
وزیبائش سے کیا سروکار ہے۔ ان کی تعلیمات اور ہدایات تو آخرت کی فوز و
فلاح سے متعلق ہیں۔ اور یقیناً اے نبی کریم! آپ کے حق میں آخرت ہی اس دنیا کے

مقابلے میں کہیں بہتر اور پائدار ہے۔ اور آپ کے رب کریم نے اس کا فیصلہ فرما دیا
اور اس کا ذمہ لے لیا ہے کہ فوز و فلاح آخرت آپ کے دم قدم سے وابستہ ہے۔
نہ صرف آپ کے حق میں بلکہ آپ کی تمام امتہ مرحومہ کے حق میں جو آپ کا کلمہ پڑھتی
ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا:۔ انا اھل بیت اختار اللہ لنا الآخرۃ علی الدنیا۔
(ابن ابی شیبہ بغوی) ہم اس مبارک گھرانے سے ہیں جن کے لئے اللہ سبحانہ نے دنیا کے
مقابلے میں آخرت ہی کو پسند فرما لیا ہے" چنانچہ لوائے حمد آپ کے دست مبارک
میں دیا جانا' آپ کا باب شفاعت کو وا کرنا' مقام محمود آپ ہی کے لئے مختص ہونا
جس پر اولین و آخرین کو غبطہ ہوگا۔ آپ کی امتہ مرحومہ کو تمام امم کا شاہد بنانا' ایسی
بیسیوں خصوصیات و امتیازات ہیں جن سے آپ کا اختصاص' انبیاء علیہم السلام
میں' اور آپ کی امتہ مرحومہ کا امتیاز دوسری امتوں سے واضح ہے۔

دوسری تفسیر | وللاخرۃ خیر لك من الاولیٰ کی تفسیر کے ضمن میں
امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں تحریر فرمایا ہے کہ آخرت آپ کے لئے دنیا سے
بہتر ہے یہ اس لئے کہ دنیا میں آپ میری سنتے رہے طاعت الٰہی میں مصروف رہے
اور آخرت میں میں آپ کی سنتا رہوں گا یعنے آپ کی شفاعت سنی جائے گی۔

تیسری تفسیر نیز آیۂ کریمہ وَلَلآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الأُولَى کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں :۔ ای الحالة الآخرة خیر لك من الاولیٰ ونهاية امرك خير من بدايته يعنی لا تزال تتصاعد فی الرفعة والكمال ۔ (مظہری) یعنی ہر آخری حالت آپ کے لئے پہلی حالت سے بہتر ہے ۔ اور آپ کے ہر کام کا انجام اس کے آغاز کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے ۔ مطلب یہ کہ معراج رفعت و کمال پر آپ ہمیشہ گامزن رہ کر ہر ساعت اور ہر آن ترقی ہی کرتے رہیں گے ۔ اور ہر آنے والی گھڑی، گزری ہوئی ہر ساعت سے بہتر ہی ثابت ہوتی رہے گی ۔ چنانچہ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ دعوت اسلام چند ضعفاء کے قبول اسلام سے شروع ہوئی تھی پھر اپنے اوج کمال پہ پہنچ کر رہی کہ نہ صرف جزیرۃ العرب حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرنگیں آیا بلکہ اطراف کے ملوک و سلاطین کے نام فرامین مبارک جاری فرمائے گئے اور باقاعدہ طور پر دعوت اسلام دی گئی ۔ عظیم قبط، عظیم روم، شاہ حبش، ملک بحرین، کسریٰ فارس وغیرہ جو اس وقت حکمران تھے اور ان میں سے روم و فارس کے سلاطین جو خود کو ملک الملوک اور شہنشاہ سمجھتے تھے ان کو بھی آپ نے مخاطب فرمایا اور سب کے ساتھ بیک قلم ایک ہی طرز خطاب اختیار فرمایا گیا ۔ سلام علی من اتبع الهدیٰ اَسْلِمْ تَسْلَمْ ۔

سلام ہے اس کو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اسلام قبول کرلو تو سلامت رہوگے۔" مطلب یہ کہ اگر قبول اسلام سے گریز کیا گیا تو پھر تمھاری خیر نہیں۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ شاہِ حبش مشرف باسلام ہوئے تو ان کا ملک محفوظ رہا حضور اکرم نے مسلمانوں کو آگاہ فرمادیا:۔ اترکوا الحبشۃ ما ترکوکم۔ اہل حبش جب تک تم کو اپنی حالت پہ چھوڑے رکھیں تم بھی ان کو اپنے حال پر چھوڑے رکھو" اس حکم اقدس کی تعمیل اب تک جاری ہے۔ حالانکہ نجاشی شاہ حبش کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں نے نصرانیت اختیار کرلی اور اب بھی وہاں کا حکمراں نصرانی ہی ہے مگر مسلمان خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر سلاطین بنی امیہ و خلفائے بنی عباس، خلفائے آل عثمان اور دوسرے حکمراں بادشاہوں نے بھی حبشہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اہل حبش کو بھی کبھی مسلمانوں پر دست درازی کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ ہم ان سے اور وہ ہم سے محفوظ و مصئون ہیں۔ الحمد للہ علی ذالک۔ رہے اطراف کے دوسرے پادشاہان اور خصوصاً روم اور فارس خلافت فاروقی ہی میں اسلامی خلافت کا ایک جزو بن کر رہ گئے۔ اور وَ لَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی کی پیشین گوئی اس اعتبار سے بھی پوری ہوئی۔ فللہ الحمد فی الاولی والآخرۃ۔

شانِ نزول حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرض علیّ ما ھو مفتوح لامتی بعدی فسرنی فانزل اللہ وللآخرۃ خیر لك من الاولیٰ ۔ (طبرانی، بیہقی) میری امت کے جو فتوحات میرے بعد ہونے والے ہیں وہ سب مجھ پر پیش کئے گئے جس سے مجھے مسرت و شادمانی حاصل ہوئی تو اس وقت اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی: وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۔ اور یقیناً آخرت آپ کے حق میں دنیا سے کہیں بہتر ہے " یعنی آپ کے خلفاء اور جانشینوں کو جو فتوحات ہونے والی ہیں اگرچہ یہ آپ کے لئے مسرت و شادمانی کی موجب ہیں لیکن بہر حال یہ بھی دنیا ہی ہے۔ دارِ آخرت کی مسرتوں اور شادمانیوں کا جو سامان آپ کے لئے مہیا کیا گیا ہے وہ دنیا اور اس کی کامیابیوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسرت و شادمانی کا یہ سلسلہ حضورِ انور کے حق میں کسی حد پر ختم ہونے والا نہیں۔ اوج و کمال کے جس درجہ پر بھی آپ فائز ہوں ترقی مدارج کی جولانگاہ آگے ہے۔ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم نگاہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ اور عنقریب آپ کا پروردگار

آپ کو دیتا جائے گا اتنا کہ آپ اس سے راضی اور خوشنود ہو جائیں گے۔"

ولسوف یعطیك کی تفسیر | حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلا قول اللہ فی ابراھیم فمن تبعنی فانہ منی وقول عیسیٰ ان تعذبھم فانھم عبادك الآیۃ فرفع یدیہ وقال امتی امتی وبکی فقال اللہ یا جبریل اذھب الی محمد فقل لہ انا سنرضیك فی امتك ولا نسوءك۔ (صحیح مسلم) حضرت رسول اعظم و اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سبحانہ کا ارشاد جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہوا ہے فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانك غفور رحیم کی تلاوت فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً آپ اس کو بخشنے والے مہربان ہیں۔" اور اللہ سبحانہ کا ارشاد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں ہوا:۔ ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم۔ اگر آپ ان کو (اے پروردگار من) عذاب دیں تو وہ آپ ہی کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو بخشدیں تو یقیناً آپ بڑی ہی عزت والے حکمت والے ہیں۔" جب اس کو بھی تلاوت فرمایا تو آپ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے اور زاری کے ساتھ عرض کیا:۔ امتی امتی۔ میری

تمام امت کو بخش دیجئے۔ میری تمام امت کو بخش دیجئے" اس پر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ جبرئیل! اسی وقت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اور ان کو یہ خوش خبری سنا دو کہ وہ وقت دور نہیں کہ ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو رضامند اور خوشنود کر دیں گے اور آپ کو کسی حال آزردہ خاطر نہ ہونے دینگے"

اہل بیت اطہار نار سے محفوظ ہیں

حضرت سیدنا ابن عباسؓ ولسوف یعطیك ربك فترضی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ من رضا محمد ان لا یدخل احد من اھل بیتہ النار۔ (بیہقی) حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی اور خوشنودی میں یہ بھی داخل ہے کہ آپ کے اہل بیت اطہار میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہونے پائے۔ ؎

خدایا بحق بنی فاطمہؑ — کہ برقول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول — من و دست و دامان آلؑ رسول

امۃ مرحومہ سے بھی کوئی دوزخ میں نہ رہیگا

نیز حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت یہ بھی مروی ہے:۔ رضاہ ان تدخل امتہ الجنۃ کلھم۔ (بیہقی) آپ کی رضا و خوشنودی تو یہی ہوگی کہ آپ کی پوری امۃ مرحومہ جنت میں چلی جائے" ایک اور روایت بایں الفاظ آئی ہے:۔ لا یرضی

محمد واحد من امتہ فی النار۔ (خطیب بغدادی) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی راضی نہ ہوں گے درحالیکہ آپ کی امت مرحومہ کا ایک شخص بھی دوزخ میں رہے یعنی سب کے سب بخش دئے جائیں گے۔ ؎

نماند بدوزخ کسے در گرو　　　که دارد چنیں سیّد پیشرو

عطائے شفاعت چناں در دہند　　　که امت تمامی ز دوزخ رہند

آیہ السوف یعطیک بہت ہی پر امید ہے

حضرت حرب بن شریحؒ فرماتے ہیں:۔ قلت لابی جعفر محمد بن علی بن الحسین ارأیت ہذہ الشفاعة التی یتحدث بها اہل العراق احق ہی قال ای واللہ حدثنی عمی محمد بن الحنفیة عن علیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اشفع لامتی حتی ینادینی ربی أرضیت یا محمد فاقول نعم یا رب رضیت ثم اقبل علیّ فقال انکم تقولون یا معشر اہل العراق ان ارجی آیة فی کتاب اللہ یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا قلت انا لنقول ذلک قال فکلنا اہل البیت نقول ان ارجی آیة فی کتاب اللہ ولسوف یعطیک ربک فترضی وہی الشفاعة۔ (ابن المنذر ابن مردویہ ابونعیم) میں نے حضرت

امام جعفرؒ صادق کے والد ماجد حضرت امام محمدؑ باقر بن حضرت امام علی زینؑ العابدین بن حضرت امام حسین علی جدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام سے عرض کیا کہ مسئلہ شفاعت جس کا ذکر اہل عراق اکثر کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ تو حضرت امام محمدؑ باقر نے فرمایا کہ بخدا ہاں (حق ہے)۔ مجھ سے میرے عم محترم حضرت محمد بن حنفیہ نے فرمایا وہ (اپنے والد ماجد) حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے روایت کرتے تھے کہ ان سے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت مرحومہ کی شفاعت اس وقت تک کرتا رہوں گا کہ مجھے میرے پروردگار کے پاس سے ندا آئے گی کہ محمد! کیا آپ رضامند اور خوشنود ہو گئے؟ تو میں عرض کروں گا کہ ہاں میرے رب کریم! میں رضامند و خرسند ہو گیا۔ (حضرت حرب بن شریح) فرماتے ہیں کہ پھر (حضرت امام محمدؑ باقر نے) میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔ تم اے اہل عراق! آیۂ کریمہ لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ کو سب سے زیادہ امید دلانے والی اور ڈھارس بندھانے والی آیت سمجھتے ہو جس میں ارشاد باری ہوا ہے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ سبحانہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ یقیناً اللہ پاک تمھارے تمام گناہوں کو بخش دیگا یقیناً وہ خوب ہی بخشنے والا ہے، نہایت ہی مہربان ہے۔" میں نے

عرض کیا کہ ہاں واقعہ ایسا ہی ہے کہ اس آیۂ لا تقنطوا میں زیادہ تر امید دلائی گئی ہے۔ اس پر حضرت امام محمد باقر علی جدہ وعلیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ میں سب سے زیادہ امید دلائی گئی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اے نبی کریم! وہ وقت قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوشنود ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ یہی تو شفاعت ہے۔ جس کا وعدہ دیا جا چکا ہے۔

آیہ ولسوف یعطیك کا شان نزول

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں:—

دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی فاطمۃ وھی تطحن بالرحیٰ وعلیھا کساء من لحمۃ الابل فلما نظر الیھا قال یا فاطمۃ تعجلی فتجرعی مرارۃ الدنیا لنعیم الآخرۃ غدا فانزل اللہ ولسوف یعطیك ربك فترضی۔ (عسکری، ابن مردویہ، ابن لال، ابن النجار)

حضرت رسول انس وجاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا علی ابیہا وعلیہا الصلاۃ والسلام کے ہاں تشریف لے گئے جبکہ آپ چکی پر آٹا پیس رہی تھیں اور اس وقت آپ ایک کمل جس کا تانا اونٹ کے بال کا تھا زیب تن فرمائی ہوئی تھیں۔ جب حضور انور کی نظر اطہر آپ پر پڑی تو فرمایا کہ نور بصر فاطمہ!

آج دنیا کی تلخی برداشت کر لو تو فردائے قیامت آخرت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی رہو گی۔ (کہتے ہیں کہ) اسی وقت آیہ کریمہ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ نازل ہوئی کہ عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دیگا کہ آپ خوشنود ہو جائینگے۔" پھر اس کی تائید میں آیات ذیل نازل ہوئیں: —

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَآوٰی ۠ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۠ -6 93-7

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۠ کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر جگہ دی 93-8

اور پایا آپ کو (ہماری محبت میں) خود رفتہ پھر اپنی طرف راہ دی، اور پایا آپ کو حاجت مند پھر بے نیاز کرایا۔"

مطلب یہ کہ حیات دنیا میں آتے ہی آپ کو اہم سے اہم تر حالات سے سابقہ پڑا تو جب ہمارے بے پایاں الطاف و عنایات آپ کے ساتھ رہے ہیں تو عالم آخرت میں جہاں حیات جاوید حاصل رہے گی ہمارے کیا کیا الطاف خاصہ اور کیسی کیسی عنایات مختصہ آپ کے ساتھ ہوں گی ان کا اندازہ ان گزشتہ واقعات سے کر لیا جانا چاہیئے۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَآوٰی۔ کیا آپکے پروردگار	**حضور اکرم کی یتیمی**

رحمٰن اور رحیم نے) آپ کو یتیمی کی حالت میں نہ پایا۔ (ایسے عہد جاہلیت میں کہ

یتیموں کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اگر یتیم کے باپ کی دولت ہوتی تو دوسرے اس کو غنیمت جان کر خود ہی ہضم کر جاتے) اس کے جوان ہونے اور مطالبہ کرنے سے پیشتر ہی سارا متروکہ ختم کر دیتے تھے تاکہ مطالبہ کی نوبت ہی نہ آسکے۔ اور کبھی اس میں سے کچھ مانگنے کو آیا تو اس کو دھکے دیکر نکال دیتے تھے۔ قانون بنا رکھا تھا کہ باپ کے متروکہ سے وہی بیٹا حصہ پاسکتا ہے جو تلوار باندھکر دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ یتیم (یعنی متوفی باپ کا نابالغ لڑکا) اپنے باپ کے متروکہ سے کچھ بھی پانے کا حقدار نہیں سمجھا جاتا تھا) ایسے دور میں آپ کے پروردگار نے آپ کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی۔

حضور انور یتیم بسیر تھے

کون نہیں جانتا کہ حضور دوجہاں سرور انس و جاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کہ اپنی مادر مہرباں کے رحم ہی میں جلوہ گر تھے۔ اور مدت حمل کے دو مہینے ہی گزرنے پائے تھے آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کو عین شباب میں سفر آخرت درپیش ہوا۔ آپ یتیم پیدا ہوئے۔ پھر آپ کی عمر شریف کے چھ سال بھی گزرنے نہ پائے کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اس جہاں سے تشریف لے گئیں۔ ولادت باسعادت کی تاریخ ہی سے اللہ سبحانہ نے آپ کے جدامجد حضرت عبدالمطلب کو آپ پر ایسا شفیق و مہربان بنادیا کہ ہر طرح

آپ کی کفالت فرماتے رہے۔ اور آپ کو دیکھ کر اپنے نوجوان فرزند کا غم دل سے دور کر دیا۔ ابھی آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ جد امجد بھی رخصت ہوگئے اور آپکو اپنے نادار اور عیال دار فرزند ابو طالب کے سپرد فرمایا' یہ مسلسل حوادث اور جاں گسل واقعات ہیں جو شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں۔ حضرت ابو طالب کو آپ کے ساتھ کچھ ایسی محبت تھی کہ اپنے فرزندوں اور اولاد کی بھی ان کو کوئی پرواہ نہ تھی۔ کمال ہمت و پامردی سے حضور انور کی پرداخت میں مشغول رہے۔ تجارت وغیرہ کے سلسلے میں کوئی سفر درپیش ہوتا تو اس حالت میں بھی حضور کو خود سے جدا نہ ہونے دیتے بلکہ ساتھ لے جاتے۔ بہرحال اس عہد جاہلیت میں جد امجد اور عم محترم کی یہ شفقت و پرداخت' اللہ سبحانہ کی عنایات اور الطاف نہیں تو اور کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ اسی کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ آپکے پروردگار نے کیا آپ کو بحالت یتیمی نہ پایا پھر آپ کو پناہ دی ایسی گودیوں میں جن کی نظیر نہیں مل سکتی خصوصاً اس جاہلیت کے دور میں جبکہ یتیموں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔

شفیق چچا ابو طالب کی شفقت

حضرت ابو طالب کا بیان ہے کہ حضور انور سے طفولیت کے عالم میں ایسے امور عجیبہ ظہور پذیر ہوتے تھے جو اس ننھی سی عمر میں کسی بچے سے کبھی دیکھنے میں نہ آئے۔ چنانچہ ایک دن

انھوں نے اپنے بھائی حضرت سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا کہ جب سے میں نے محمدؐ کو اپنی کفالت میں لیا ہے خود سے کبھی جدا نہیں کیا۔ ایک رات ان کو اپنے بستر پر سلاتے ہوئے یہ کہا کہ جان من! (گرمی سخت ہے) اگر تم اپنے کپڑے اتار کر میرے ساتھ آرام کرتے تو مناسب ہوتا۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سنتے ہی ان کے چہرے پر کراہت کے آثار نمایاں ہوئے۔ ساتھ ہی میری توقیر کے خیال سے یوں کہا کہ چچا جان! اگر آپ میری طرف پیٹھ کرکے آرام کریں تو مناسب ہوگا تاکہ میرا بدن آپ دیکھنے نہ پائیں۔ بچے کی ان دونوں باتوں سے میں بہت متاثر ہوا اور ان کی طرف پیٹھ کرکے ہی سو رہا۔ ان کے سو جانے کے بعد میں نے ٹٹول کر دیکھا تو میرے اور ان کے درمیان نہایت ہی نرم و نازک مہین حجاب حائل ہے اور مشک کی خوشبو اس سے مہک رہی ہے گویا کہ اس کپڑے کو مشک میں بسایا گیا ہے۔ اسی حالت میں ان کو دیکھنا چاہا مگر ان کا بدن مجھے دکھائی نہ دیا۔ نیز بارہا ایسا ہوتا کہ میں بچے کو اپنے پاس نہ پاتا۔ بے چین ہو کر آواز دیتا تو جواب ملتا کہ چچا جان! میں یہاں ہوں۔ پھر میں ان کے پاس پہنچ جاتا۔ بڑی رات کو بسا اوقات مجھے ان کی عجیب عجیب باتیں سننے کا اتفاق ہوتا۔ ہم کھانا کھاتے تو بسم اللہ کہنا ہم کو معلوم نہ تھا۔ اور نہ فارغ ہونے پر کلمہ حمد کہنا جانتے تھے۔ مگر ان کو دیکھتا کہ

بسم اللہ الاحد کہہ کر لکھنا شروع کرتے اور فارغ ہوتے تو الحمد للہ کہا کرتے لڑکپن ہی سے کوئی جھوٹ بات، یا ہنسی مذاق، یا جاہلیت کی کوئی حرکت دیکھنے سننے میں نہ آئی۔ دوسرے بچے کھیلتے رہتے ان کو کبھی ان کے ساتھ شریک رہتے ہوئے نہ دیکھا۔ مجھے اس بچے کی ایک ایک بات پر تعجب ہی رہا کرتا ہے۔" (روح المعانی)

یتیم کی دوسری تفسیر علامہ زمخشری لکھتے ہیں: ان یتیما من قولھم درۃ یتیمۃ والمعنی الم یجدک واحدا فی قریش عدیم النظیر فآواک۔ (کشاف) یہاں کلمہ یتیم محاورۂ عرب درۃ یتیمۃ سے ماخوذ ہے (یعنی گوہر نایاب جس کا ثانی نہیں)۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ الم یجدک یتیما فآوی کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کے پروردگار نے کیا آپ کو قریش میں بے نظیر و یکتا نہیں پایا پھر آپ کو (مناسب حال ٹھکانے میں) جگہ دی۔" صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: والاولی علیہ ان یقال الم یجدک واحدا عدیم النظیر فی الخلیقۃ لم یحو مثلک صدف الامکان فآواک الیہ وجعلک فی حق اصطفائہ" اس محاورے کے مدنظر یوں کہنا اولیٰ و انسب تھا کہ آپ کے پروردگار نے کیا آپ کو (نہ صرف قریش بلکہ) ساری کائنات میں یکتا و بے نظیر نہ پایا کہ آپ جیسا درّ یتیم صدف امکان میں بھی

کہیں جائے گیر نہ ہو سکا تھا پھر آپ کو اپنے ہاں جگہ دی اور آپ کو اپنے کمالات ظاہری و باطنی کا مظہر بنایا۔"

ووجدك ضآلاً کی تفسیر	وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ اور آپ کو

کھو رفتہ پایا پھر راہ دکھائی " حضرت حبر الامۃ ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔

وجدك بين ضآلين فاستنقذك من ضلالتهم ۔ (ابن مردویہ)

اور آپ کو پایا درمیان گمراہوں کے، پھر آپ کو ان کی گمراہیوں سے بچا کر ان میں سے الگ نکال لیا" کہ ان کی جہالت اور ضلالت کا کوئی اثر آپ پر نہ ہونے پایا بلکہ آپ کی ذات ستودہ صفات کو ان کا ہادی اور رہنما بنایا کہ آخر کار ساری قوم عرب جہالت اور ضلالت سے نکل کر راہ ہدایت پر گامزن ہو گئی اور تمام عالم کی معلم اور رہنما ثابت ہوئی۔ و للہ الحمد۔ اس اعتبار سے ضآلاً قوم عرب کی صفت ہو گی نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ یہ تفسیر اس بنا پر ہے کہ محاورۂ عرب ہے :۔ یقال رجل ضعیف اذا کان قومه ضعيفا۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں کمزور شخص ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کہ اس کی قوم ضعیف اور کمزور ہو" اور اگر ضآلاً کو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت قرار دیا جائے تو آپ کی کم سنی کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ مقصود ہو گا۔

طفولیت کا ایک واقعہ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے :۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضلّ فی شعاب مکۃ فی حال صباہ وکان عبد المطلب یطلبہ ویقول متعلقا باستار الکعبۃ ۔

یارب فاردد ولدی محمدا ردّہ الیّ واصطنع عندی یدا

فوجدہ ابو جھل فردہ الی عبد المطلب فمنّ اللہ علیہ حیث خلّصہ علی یدی عدوّہ فکان فی ذلک نظیر موسیٰ علیہ السلام حین التقطہ فرعون تابوتہ لیکون لھم عدوّا وحزنا ۔ (روح البیان) حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ کم سنی میں مکہ کی گھاٹیوں میں راستہ بھول گئے ۔ اور آپ کے جدامجد حضرت عبد المطلب آپ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے ۔ بالآخر کعبۃ اللہ شریف کے پردے پکڑ کر یہ دعائیہ شعر پڑھے جاتے تھے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) اے میرے پروردگار ! میرے فرزند محمدؐ کو میرے پاس جلد پہنچا دیجئے ۔ اور مجھ پر (جہاں آپ کے بے شمار احسانات ہیں) یہ احسان عظیم بھی فرمایئے ۔" خدا کی قدرت کہ آپ کو ابوجہل نے پا لیا اور آپ کو حضرت عبد المطلب کے پاس پہنچا دیا ۔ یہاں اسی احسان عظیم کو منّت کے طور پر یاد دلایا جا رہا ہے کہ آپ کو آپ ہی کے ایک دشمن کے ہاتھوں اس پریشانی سے نجات دلائی ۔ جیسا کہ موسیٰ کو فرعون جیسے کٹر دشمن کے ہاتھوں نجات

دلائی تھی جب کہ فرعون نے آپ کے تابوت کو دریائے نیل سے نکلوایا تھا تاکہ آئندہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی دشمن قرار پائے اور حضرت موسیٰ فرعون کے حق میں حزن وملال کا سبب ثابت ہوں۔" یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت دایہ حلیمہؓ نے مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد حضورؐ کو آپ کے گھر پہنچا دیا تھا۔

حضور کے سفر شام کا ایک واقعہ

اسی طرح ایک اور واقعہ پیش آیا جب کہ حضرت خدیجہؓ کا تجارتی قافلہ اپنے غلام میسرہ نامی کی قیادت میں ملک شام روانہ ہوا تھا حضورؐ کے شفیق چچا ابو طالبؓ بھی اس میں شریک تھے اور کمال شفقت ہی کی بنا پر حضور انورؐ کو باوجود کم سنی کے بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا کیونکہ ان کو حضورؐ کی جدائی ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ تھی۔ چنانچہ قدوۃ التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں:— خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع عمہ ابی طالب فی قافلۃ میسرۃ غلام خدیجۃ فبینما ھو راکب ذات لیلۃ ظلماء ناقۃ جاء ابلیس فاخذ بزمام الناقۃ فعدل بہ عن الطریق فجاء جبرئیل فنفخ ابلیس نفخۃ وقع منہا الی الحبش وردّہ الی القافلۃ۔ (مظہری) حضور سید الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شفیق چچا ابو طالب کے ساتھ ایک تجارتی قافلہ میں شریک تھے جو ملکۃ التجار حضرت خدیجہ کے

غلام میسرہ کی سرکردگی میں (شام کی طرف) جا رہا تھا۔ اور حضورؐ ایک اونٹنی پر سوار تھے۔ اسی اثناء میں اتفاق ایسا ہوا کہ رات کی سخت تاریکی میں ابلیس لعین آیا اور اونٹنی کی نکیل پکڑ کر سیدھا راستہ چھوڑ کر کسی اور طرف لیجانا شروع کیا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور ابلیس پر ایک پھونک لگائی۔ پھر کیا تھا کہ ابلیس وہاں سے اُڑ کر ملک حبش میں جا گرا اور حضورؐ انور کو قافلہ میں پہنچا دیا۔"
اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کم سنی کے عالم میں بھی آپ کا پروردگار کردگار جب ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اب جبکہ آپ منصب نبوت و رسالت سے ممتاز ہیں آپ کو چھوڑ دے اور آپ سے ناراض ہو جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔

ضالاً کی دوسری تفسیر بعض مفسرین کرام نے آیۂ کریمہ ووجدک ضالاً فھدیٰ کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے:۔ وجدک ضالاً نفسک لا تدری من انت (مظہری) آپ کے پروردگار نے آپ کو آپ کی ذات ستودہ صفات ہی کے بارے میں بے خبر پایا آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ حقیقت میں آپ کی کیا شان ہے؟ اور معراج اوج و کمال میں آپ کی منزلت کیسی بلند ترین ہے کہ پوری کائنات میں کوئی بھی آپ کی معراج کمال اور علوِ مرتبت تک رسائی نہیں پا سکتا۔

صوفیہ کرام کا قول بعض صوفیائے کرامؒ نے فرمایا:۔ معناہ وجدک

محبا عاشقا مغرطا فی الحبّ والعشق یکنی باتصال لا ستلزام السکر غالبا والسکران یغلط الطریق غالبا۔ آیہ کریمہ وَوَجَدَكَ ضَالًا کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو ہمارا حد درجہ محب، عاشق پایا جو ہماری محبت و عشق میں مستغرق ہیں۔ بالفاظ دیگر ہمارا وصال آپ کو مطلوب ہے کیونکہ ایسی کیفیت عموماً بحالت بیخودی ہوتی ہے اور عام طور پہ از خود رفتہ اکثر اپنے جادہ پر قایم نہیں رہ سکتا۔

فَهَدٰی کی تفسیر فَهَدٰی۔ ایسی نازک حالت میں بھی آپ کو آپکے پروردگار نے راہ ہدایت پر برقرار رکھا اور آپ کے قدم کو اس سے ہٹنے نہ دیا تو اب کیونکر ہوسکتا ہے کہ آپ کو رخصت کر دے اور بیزار ہو جائے خدا کی پناہ۔ یا یہ کہ مکہ کی گھاٹیوں میں سرگشتہ ہونے کے بعد آپ کو اپنے جد امجد کے پاس پہنچا دیا۔ یا شام کے قافلہ سے دور جانے کے بعد اس سے ملا دیا۔ یا یہ کہ آپ کی شان کیا ہے خود آپ کو معلوم نہ تھی پھر اس کی معرفت عطا فرمائی۔ اور ظاہر ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس کو اپنی آپ معرفت حاصل ہوگئی اس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کر لی۔" یا یہ معالم دین سے ناواقف تھے تو آپ کو پوری طرح واقف کرا دیا۔ یا یہ کہ وصال محبوب حقیقی کی راہ ڈھونڈھتے تھے اس سے آپ کو بہرہ ور کر دیا جیسا کہ ارشاد ہوا:-

فکان قاب قوسین او ادنیٰ ۔ اس آیہ کریمہ کی تفسیر سورۂ نجم میں گزر چکی ہے ۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے ۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ مذکور الصدر واقعات حضورؐ کی طفولیت اور کم سنی کے تھے ۔ جب آپؐ شباب کو پہنچے تو قریش کو دیکھا کہ گمراہی کی انتہائی پستی کو پہنچے ہوئے ہیں اور قعر مذلت میں گرے ہوے ، پتھروں کو پوجتے ہیں اور ان کو اپنے ہی ہاتھوں سے تراش کر ان کی پوجا کرتے ہیں ۔ بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے اور ان کی بھینٹ چڑھاتے ہیں ۔ قتل ، غارت گری ، شراب نوشی ، فاحشہ گردی ، جھوٹ ، بہتان تراشی ، ظلم و ایذا رسانی ۔ غرض کوئی مذمت ایسی نہ تھی جس میں یہ ڈوبے ہوئے نہ تھے ۔ پھر کمال یہ کہ اپنے خطبات اور اشعار میں اپنی ان برائیوں کو بھرے مجالس میں فخریہ پیش کرتے ہوئے بھی شرماتے نہ تھے ۔ پھر لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے ۔ عورتوں اور یتیموں کا ان کے باپ کے متروکہ میں کوئی حق نہ تھا ۔ طلاقی مائیں متروکہ کی طرح جوان بیٹوں میں تقسیم کر لی جاتی تھیں غرض عقائد ، عبادات ، اعمال ، معاملات اور اخلاق کے لحاظ سے کوئی برائی ایسی نہ تھی جو قریش بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں موجود نہ تھی ۔ ان کے اطراف جو ممالک اور اقوام تھیں ان کے حالات ان سے بھی زیادہ بگڑے ہوئے تھے ان

حالات اور واقعات کا مشاہدہ فرماتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے متنفر اور خود کو ان سے الگ رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ ان خرابیوں کو کس طرح دور کیا جائے اور کیوں کر ان کی اصلاح ہو؟ اسی فکر میں مستغرق رہ کر غارِ حرا میں آپ چلہ کشی فرماتے اور اسی دُھن میں آپ کے لیل و نہار گزرتے رہتے تھے۔ اسی مضمون کی طرف اس آیہ کریمہ میں اشارہ فرمایا جارہا ہے:۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۔ اور (آپ کے پروردگار نے) آپ کو از خود رفتہ پایا پھر رہنمائی فرمائی۔" از خود رفتہ ہونا اس اعتبار سے کہ ہدایت اور اصلاح کی کوئی تدبیر سوجھتی نہ تھی۔ اسی طرح سورۂ یوسف کے آغاز میں ارشاد ہوا:۔ وان کنت من قبلہ لمن الغافلین اگرچہ آپ اس نزول قرآن سے پہلے ناواقفوں میں تھے۔" بہرحال ضآلًّا کے معنی یہاں ناواقف، متحیر، از خود رفتہ کے اسی طرح ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسبت کہا تھا:۔ ان ابانا لفی ضلال مبین ۔ بے شک ہمارے ابا جان کھلے طور پر یوسف کی محبت میں از خود رفتہ ہیں۔" ایک وقت یوں خطاب کیا:۔ انك لفی ضلالك القدیم ۔ بے شک آپ وہی پرانی محبت میں گرفتار ہیں۔" نیز زنان مصر نے زلیخا کے باب میں کہا تھا:۔ انا لنراها فی ضلال مبین۔

یقیناً ہم عزیزِ مصر کی بی بی کو کھلے طور پر یوسفؑ کی گرویدہ خیال کرتی ہیں۔"

حضور کی نسبت علم ازلی میں فیصلہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے علم قدیم اور علم ازلی کے مطابق یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں اس قوم کی بلکہ جملہ اقوام عالم کی اصلاح اس طریق پر ہو کہ رہتی دنیا تک آپ کا نام نامی روشن رہے۔ چنانچہ قرآن کریم کو نازل فرما کر اصلاح حالات کے جملہ طور طریقے سمجھا دئے گئے۔ اور (۲۳) سال کی مختصر سی مدت میں پورا جزیرۃ العرب آپ کے قدموں پر نثار ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ پھر (۳۰) سال کی مدت خلافت راشدہ میں دین اسلام کو وہ قوت و استحکام بخشا گیا کہ اگر اس کے خلاف سارا عالم بھی اٹھ کھڑا ہو تو کسی کی ایک نہ چل سکے۔ فالحمد للہ علی احسانہ وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ۔ ورضی اللہ عنہم وارضاہم عنا۔ آمین۔

ووجدک عائلا کی تفسیر وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی۔ اور پایا آپ کو حاجت مند پھر بے نیاز کر دیا" احتیاج اور تونگری بھی کئی طرح ہے۔ ایک باعتبار مال و دولت کے۔ جیسا کہ حضرت سفیان ثوریؒ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:۔ ووجدک فقیرا فاغنی وذکرا نها فی مصحف ابن مسعود ووجدک عدیما۔ (ابن جریر) اور آپ کو آپ کے پروردگار نے حاجت مند

پایا پھر آپ کو بے نیاز کر دیا۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں (بطور تفسیر) یوں لکھا تھا کہ آپ کو نادار پایا" اس کی تائید حضرت سلیمان اعمش کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:۔ قال قراءۃ ابن مسعود ووجدک عدیما فاغنیٰ (ابن الانباری) حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت ہی یوں تھی کہ آپ کو نادار پایا پھر آپ کو بے نیاز کر دیا" وہ اس طرح کہ حضرت خدیجہؓ کے شریک تجارت ہونے کے بعد آپ نے ملک شام کا جو سفر اختیار فرمایا اس میں بڑی خیر و برکت رہی۔ آپ کو اور حضرت خدیجہ کو معقول منافع حاصل ہوئے پھر کمال امانت داری سے پائی پائی رتی رتی کا حساب جو آپ نے بتا دیا تو حضرت خدیجہؓ اس پہ بہت خوش ہو گئیں۔ اور ان ہی صفات حسنہ سے متاثر ہو کر اپنا پیام دیا تو عقد میمنت مہد کے بعد ام المومنین سیدتنا خدیجہؓ نے اپنی تمام دولت آپ کے قدموں پر نثار فرما دی نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بہت مالدار تھے۔ جس کا بیان سورت ما سبق کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکا ہے اور حضرت صدیقؓ نے اپنی تمام دولت خدمت اقدس میں پیش کر دی۔ ارشاد ہوا کہ ابوبکر! تم نے گھر میں کیا چھوڑا؟ تو عرض کیا:۔

ترکت اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے اپنے اہل و عیال کیلئے اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ رکھا ہے۔

فاغنیٰ کی تفسیر حضرت مقاتل فرماتے ہیں :۔ اغنی قلبک فارضاک بما اعطاک من الرزق اللہ سبحانہ نے آپ کے قلب مبارک کو بے نیاز بنا دیا بے نیازی کی یہ صفت حسنہ جو آپ کو عطا ہوئی تو آپ کو ہر طرح کی سہولت حاصل ہوگئی۔" امام ادب حضرت فراء نے اسی تفسیر کو پسند کیا اور فرمایا :۔ لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غنیا بکثرۃ المال و العرض لکن الغنی غنی النفس ۔ حضرت نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کثرت مال و متاع کے اعتبار سے غنی نہ تھے لیکن آپ کی غنا غنا ذاتی تھی۔" آپ کے قلب شریف کو وہ بے نیازی بخشی گئی تھی کہ اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کی آپ کو حاجت نہ تھی۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے :۔ تونگری بدل است نہ بمال ۔ اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جب کہ آپ طائف کے سفر سے واپس ہو رہے تھے اور طائف والوں نے شریر لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا تھا اور ان لونڈوں نے آپ پر پتھر برسانا شروع کر دیا جس سے آپ کے قدم مبارک لہو لہان ہوگئے۔ نعلین شریف اتارنا چاہتے ہیں تو ان میں خون جم جانے کی وجہ سے وہ نکل نہیں سکتے تھے۔ اس موقع پر ملک الجبال نے رب العزت کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پیام پہنچایا کہ اگر آپ حکم دیتے ہیں تو طائف کی ان پہاڑیوں کو

آپس میں ٹکرا دوں جن میں یہ تمام کفار طائف پس کر ہلاک ہو جائیں۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں تو مکہ کے پہاڑوں کو سونے کے پہاڑ بنا دیا جائے جس کو دیکھ کر مکہ کے کفار آپ کے آگے دم نہ مار سکیں۔ اس پر حضور رحمۃ للعالمین نے ارشاد فرمایا کہ اگر کفار طائف میری دعوت قبول نہیں کرتے ہیں تو مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد ضرور میری دعوت قبول کرے گی۔ اور اگر کفار مکہ میرے ظاہری فقر کی بنا پر مضحکہ اڑاتے ہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں میں تو یہی چاہتا ہوں کہ جس دن کچھ میسر ہو تو اس پر شکر الہٰی بجالاؤں اور اگر کچھ نہ ملے تو صبر کروں۔ علامہ بوصیریؒ نے اس مضمون کو کیا خوب ادا فرمایا ہے

وراودته الجبال الشم من ذهب عن نفسه فاراها ایما شمم

اور بلند بلند پہاڑوں نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ ہم آپ کے لئے زر خالص یعنی سونے کے پہاڑ ہو جاتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رفعت ذاتی اور علو ہمتی سے کمال استغنا کے جوہر دکھائے اور ان کی طرف التفات تک نہ فرمایا۔"

قریش کی ایک التجا اسی طرح اعیان قریش نے بھی ایک دفعہ باہم مشورہ کرکے آپ کے شفیق چچا ابو طالب سے التجا کی کہ آپ اپنے بھتیجے سے فرمائیں کہ اگر آپ چاہیں تو عرب کی نوجوان حسین ترین دوشیزہ کو آپ کے عقد نکاح میں دے دیں۔ اور اگر حکومت کی خواہش ہے تو تمام قبائل عرب آپ کی حکومت کو تسلیم کرلیں اور اگر دولت کی طلب ہے تو آپ کے لئے مال ودولت کے انبار لگادیں اس شرط پر کہ آپ ہمارے بتوں کی نسبت کچھ نہ فرمائیں۔ اس کے جواب میں حضور اقدس ؐ نے فرمایا۔ چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج کو لاکر رکھ دیں تب بھی میں دعوت الی اللہ سے باز نہ آؤں گا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فَاَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ 3-9 93-10
وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ع پس جو یتیم ہو اس کو نہ ڈانٹنا' اور جو 93-11
مانگتا ہو اس کو نہ جھڑکنا' اور جو احسان ہے آپ کے پروردگار کا' اس کو بیان کرتے رہنا۔"

فاما الیتیم کی تفسیر مطلب یہ کہ یتیمی کا دور' اے نبی کریم! آپ پر گزر چکا ہے۔ آپ کا کوئی ٹھکانا نہ تھا جاہلیت کے رسوم کے مطابق' جو اوپر بیان ہوئے۔ مگر آپ کے پروردگار رحیم وکریم نے آپ کے لئے بہترین ٹھکانا دیا جس سے بہتر اور کوئی

ٹھکانا اس دور میں متصور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کا شکرانہ یہ ہے کہ آیندہ آپ کسی یتیم کو کبھی ڈانٹ ڈپٹ نہ فرمائیں۔ امام نحو فراء و زجاج نے فلا تقھر کے بعد علی ماله محذوف مانا ہے۔ یعنی یتیم کے مال پر دست درازی نہ کیجئے۔ جیسا کہ اُس عہد کے لوگوں کا عام دستور تھا اس اعتبار سے یہ حکم امت کے لئے ہوگا۔ چنانچہ ان ائمہ نے یہ بھی فرمایا:۔ نھی لامّتہ وان کان خطاباً له لشرفه ۔ دراصل یہ ممانعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت مرحومہ کو فرمائی جارہی ہے اگرچہ آپ کے شرف و مجد کے مدنظر روئے سخن حضور انورؐ کی طرف ہے"۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ایسا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کو کسی یتیم کے مال پر دست درازی کرنے کا خیال بھی آیا ہوگا۔ یہ تفسیر اس بنا پر ہے کہ قھر کے معنی "غلبہ" کے ہیں۔

فلا تقھر کی تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فلا تقھر کی تفسیر میں فرمایا:۔ لا تحقرہ و ذکران فی مصحف عبد اللہ فلا تکھر۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یعنی یتیم کو حقیر نہ جانئے آپ نے یہ بھی ذکر کیا کہ حضرت عبد اللہؓ بن مسعود کے مصحف میں فلا تقھر کی جگہ فلا تکھر لکھا ہے۔ جس کے معنی حقیر جاننے کے ہیں"۔ گویا یہ فلا تقھر کی تفسیر ہے۔ نیز مجاہد نے یہ بھی فرمایا:۔ فلا تظلم۔ (ابن ابی حاتم) یعنی یتیم پر ظلم نہ ہونے پائے"۔ اس کی تائید حضرت قتادہ کی تفسیر سے ہوتی ہے جس میں

انھوں نے فرمایا :۔ لا تظلمہ ۔ (عبد بن حمید' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم) یعنی یتیم پر ظلم نہ ہونے دیجئے ۔'' اور یہ بھی فرمایا :۔ کن للیتیم کأب رحیم (ابن المنذر' ابن ابی حاتم) یعنی یتیم کے حق میں آپ وہ طریقہ اختیار فرمائیں جیسا کہ شفیق باپ کا طرز رہتا ہے ۔'' حقیقت یہ ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں کہ آپ نے یتیموں کے باب میں جو ہدایات فرمائی ہیں وہ اسی کی آئینہ دار ہیں کہ شفیق باپ سے بھی زیادہ حسن سلوک یتیم کے ساتھ ہونا چاہیے ۔

یتیم کے ساتھ حسن سلوک

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ خیر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یحسن الیہ وشر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یساء الیہ ۔ (بغوی' بخاری فی الادب' ابن ماجہ' ابو نعیم) مسلمانوں کے گھروں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو ۔ اور مسلمانوں کا سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو ۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید الانس والجان علیہ صلوات الرحمان نے ارشاد فرمایا :۔ من مسح علی رأس یتیم کان لہ بکل شعرۃ تمر علیہا نور یوم القیامۃ جس کسی نے

یتیم کے سر پر (شفقت سے) ہاتھ پھیرا تو اس کے ہر ہر بال کے بدلے میں قیامت کے دن اس کو ایک ایک نور عطا ہوگا" جس کی روشنی میں وہ سیدھا جنت میں جا داخل ہوگا۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :۔ ان الیتیم اذا بکی اھتز لبکائہ عرش الرحمٰن فیقول اللہ تعالیٰ للملائکتہ یاملائکتی من ابکی ھذا الیتیم الذی غیب ابوہ فی التراب فیقول الملائکۃ انت اعلم فیقول اللہ تعالیٰ یاملائکتی انی اشھد کم ان علیّ لمن اسکتہ و ارضاہ ان ارضیہ یوم القیامۃ ۔ یقین جانو کہ جب یتیم روتا ہے تو اس کے رونے سے عرش الرحمٰن لرزنے لگتا ہے پھر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں سے ارشاد ہوتا ہے ۔ اے میرے مقرب فرشتو ! اس یتیم کو کس نے رُلایا جس کا باپ مٹی میں چھپا دیا گیا ہے ؟ فرشتے عرض کرتے ہیں (ہم کیا بتائیں کہ کس نے رلایا) آپ ہی بخوبی جانتے ہیں ۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے مقرب فرشتو ! میں تم سب کو گواہ کرتا ہوں کہ جو کوئی اس یتیم کو دلاسا دے اور اس کو خوش کر دے قیامت کے دن اس کو خوشنود کرنا ہمارے ذمہ ہے "۔ ؎

الا تا نہ گرید کہ عرش عظیم ... بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم

خبردار رونے نہ پائے یتیم ... لرز جائے گا اس سے عرش عظیم

یتیم کے ساتھ حضرت عمرؓ کا سلوک راوی کا بیان ہے:۔ فکان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا رأی یتیما مسح رأسہ واعطاہ شیئا۔ روایت صدر کے بیان فرمانے کے بعد حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت میں یہ بات داخل ہو گئی تھی کہ آپ جس کسی یتیم کو دیکھ لیتے تو اس کے سر پہ دست شفقت پھیرتے اور اس کو کچھ نہ کچھ دیتے۔ اور رخصت کرتے" اس کے علاوہ حدیث شریف انا وکافل الیتیم کھاتین۔ اسی سورت شریفہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اور بھی بہت احادیث شریفہ ہیں۔

طالب علم بھی یتیم ہے بعض مفسرین کرام نے یتیم سے طالب علم بھی مراد لیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر ہے۔ ؎

لیس الیتیم الذی قد مات والدہ ان الیتیم یتیم العقل والحسب

یتیم صرف وہی نہیں ہے جس کا باپ مر گیا ہو۔ بلکہ وہ بھی یتیم ہے جو عقل وعلم اور ذریعہ معاش سے دور ہو" اس اعتبار سے طالب علم جو علم دین کی طلب میں نکلا ہو وہ بھی آیۂ کریمہ کے مفہوم میں داخل ہو گا۔ اس کی تحقیر وتذلیل بھی نہ ہونی چاہیے بلکہ علم کا مسئلہ قابل فہم طریقہ سے اس کو سمجھا دینا چاہیے۔

واما السائل کی تفسیر وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ رہا مانگنے والا" اس کو

کبھی نہیں جھڑکنا۔ یہ حکم مبنی ہے وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى پر یعنی اے نبی کریم!
آپ پر ایک وقت ایسا آچکا ہے کہ آپ کے ہاں کچھ نہ تھا۔ پھر عنایات والطاف
الٰہی کی آپ پر وہ بارش ہوئی کہ آپ ہر طرح بے نیاز ہو گئے۔ تجارت میں نفع عظیم کی
وجہ سے۔ یا ام المومنین حضرت سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال کی وجہ سے
جنھوں نے اپنا تمام مال ومتاع آپ کے حوالہ فرمادیا تھا۔ یا حضرت صدیق اکبر
سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مال کی بدولت جس کو انھوں نے آپ کے قدموں پر
نثار کردیا تھا۔ یا غنا وبے نیازی جو آپ کے قلب اطہر میں ودیعت فرمادی گئی تھی
جس کے بعد آپ کو قریش کی بتائی ہوئی پیشکش، یا ملک الجبال کی تقریر جس کے ذریعہ
اطراف کے تمام پہاڑوں کو سونے کے پہاڑ بنادینے کی خوشخبری سنائی گئی تھی مگر آپ نے
کمال استغناء سے اپنی بے نیازی کا اظہار فرمادیا تھا۔ اس کا اقتضا یہ ہے کہ جب کوئی
نادار آپ کے پاس مانگنے کو آئے تو اس کو جھڑک دینا نہ چاہیے۔ تفضل علیہ
بشیٔ اوردہ بقول جمیل۔ اگر کچھ موجود ہے تو اس سے تواضع کرو۔ اور بصورت
ثانی اس کو نرمی سے جواب دیکر ٹال دو۔ یہاں بھی اصل مخاطب اس نہی کی امت مرحومہ
ہوگی۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی توقع ہی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ سیرت
شریفہ کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہیں کہ سائل کو آپ نے اس کی توقع سے

بہت زیادہ مرحمت فرمایا ہے۔ اتنا زیادہ کہ اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے :

قد جاء اعرابی ان التمس الندیٰ اعطاہ شاءً ضمہ الجبلان

ایک اعرابی نے ایک وقت حاضر ہو کر کچھ دینے کے لئے معروضہ کیا تو آپ نے اس کو بھیڑ بکریوں کا اتنا بڑا گلہ دے ڈالا جس سے دو پہاڑیوں کے درمیان کا میدان پٹ گیا تھا۔" نیز ایسا بھی ہوا کہ کبھی آپ کے پاس کچھ نہ تھا تو سائل سے فرمادیا کہ تم کہیں سے مبادلہ لے لو۔ ہم اس کی ادائی کر دیں گے۔

شانِ نزول کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگور کا ایک خوشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمۃ مبارک میں تحفۃً گزرانا۔ اتنے میں ایک سائل آیا۔ حضور نے وہ تحفہ سائل کو مرحمت فرمایا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس کو سائل سے خرید کر دوبارہ خدمۃ اقدس میں پیش کر دیا۔ پھر وہی سایل آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ اس کو عنایت فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر اس کو خرید کر تیسری دفعہ حضور کے نذر کیا۔ پھر وہ سائل آیا۔ اس پر حضورؐ اقدس نے سائل سے فرمایا:- اسائل انت یا فلان ام تاجر۔ اے شخص! تو سائل ہے یا تجارت پیشہ ہے؟ آپ نے یہ استفسار بکمال ملاطفت' نرمی کے ساتھ فرمایا تھا۔ ناراض ہو کر

نہیں دریافت فرمایا۔ کہتے ہیں کہ آیۂ کریمہ و اما السائل فلا تنھر اسی واقع پر نازل ہوئی۔ (روح البیان) مشہور حدیث ہے:۔ للسائل حق ولو جاء علی فرس مانگنے والے کا بھی حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو" یہ اس بنا پر ہے کہ آج تم دینے کے قابل ہو تو اس پر شکر کرو اور سائل کو کچھ نہ کچھ دیدو۔ مبادا کہ کل کسی اور کے در پر جانا پڑے۔ ؎

نہ خواہندهٔ بر درِ دیگراں   بشکرانہ خواہندہ از درمراں

سائلین دار آخرت کے حمال ہیں

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں:۔ السائل بریدالآخرۃ یجیئ الی باب احدکم فیقول اتبعثون الی اھلیکم بشئ۔ سوال کرنے والا دار آخرت کا مسافر ہے تم میں سے کسی کے دروازے پر آکر یہ کہتا ہے کہ (بھائیو!) اپنے اہل و عیال اور اپنے عزیز و اقارب کے پاس کیا کچھ بھیجنا چاہتے ہو؟" حضرت ابراہیم ادہم قدس سرہ فرماتے تھے:۔ القوم السؤال یحملون زادنا الی الآخرۃ۔ مانگنے والے سائلین ہمارا زادِ راہ (سازو سامان) آخرت کو پہنچایا کرتے ہیں" یہ فقرا و مساکین گویا ہمارے حمال ہیں، ہم سے یہاں جو کچھ لیتے ہیں اس کو دار آخرت میں ہمارے لئے پہنچادیا کرتے ہیں۔ اب آپ کو اختیار ہے ان کے ہاتھ جو کچھ بھیجنا چاہیں بھیجدیا کریں۔ جو آج دیں گے وہاں کل لیں گے۔

جب صورت حال یہ ہے تو سائل کو ذلیل جاننا یا اس کو جھڑک دینا صحیح طریقہ کار نہ ہوگا۔ بلکہ سائل کی عزت کرنی چاہیئے کہ وہ آپ کا دیا ہوا عطیہ دار آخرت میں آپ کے لئے پہنچا کر آپ پر احسان کر رہا ہے۔

سائل پر احسان نہ جتلاؤ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ فقیر کو آپ جو کچھ دیتے ہیں قبل اس کے کہ آپ کا عطیہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچے وہ اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے اور اللہ سبحانہ کے ہاتھ سے فقیر کو ملتا ہے اس لحاظ سے فقیر پر احسان نہ جتلانا چاہیئے کیوں کہ فقیر کو جو کچھ ملا وہ منجانب اللہ ملا۔ آپ کے ہاتھ سے اس کو راست طور پر کچھ نہیں ملا۔ لہذا اس کو ذلیل و حقیر سمجھنا یا اس کو ڈانٹنا جھڑکنا بے محل ہے۔

سائل کی اہمیت حضرت ابو امامہ باہلی رض فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لولا ان المساکین یکذبون ما افلح من ردھم۔ (طبرانی) اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مساکین (کبھی) جھوٹ بھی بولتے ہیں ان کو بغیر کچھ دئے واپس کر دینے والا نجات نہ پاتا۔ سائل کے یہ احکام اس صورت میں ہیں جب کہ وہ لگ لپٹ کر اصرار نہ کرتا ہو لیکن اگر کوئی ایسا ہو کہ آپ اس کو ہر چند سمجھائے کہ بھائی اس وقت کچھ نہیں ہے جس سے تمھاری خدمت کی جائے مگر سائل کا

یہ حال ہے کہ کسی طرح پیچھا چھوڑتا ہی نہیں تو صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کو جھڑکنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

سائل سے مراد طالب علم

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں:۔ المراد بالسائل ھنا السائل عن العلم والدین لا سائل المال۔ (روح المعانی)

آیہ کریمہ واما السائل فلا تنھر سے مراد طالب مال نہیں بلکہ طالب علم ہے جو دین کا کوئی مسئلہ اور علم کا کوئی قاعدہ و اصول دریافت کرتا ہو۔ اور یہی قول حضرت حسن بصریؒ اور سفیان ثوریؒ کا ہے۔ اس صورت میں واما السائل کا تعلق ووجدک ضالا فھدیٰ سے ہوگا۔ یعنی جب ایک وقت ایسا گزر چکا ہے کہ آپ احکام دین سے واقف نہ تھے اور اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ہدایت دی اور رہنمائی فرمائی تو آپ کو بھی چاہیئے کہ اگر کوئی طالب علم آپ سے دین کا مسئلہ پوچھنے کو آئے تو اس کو مسئلہ بتا دیا کیجئے۔ اس کو بے نیل و مرام واپس نہ کیجئے۔ عالم دین کا فریضہ ہی یہ ہے کہ اشاعت علم میں لگا رہے۔

عرض فقیر

فقیر عرض کرتا ہے کہ ارشاد باری واما السائل عام ہے خواہ وہ طالب مال ہو یا طالب علم یا مرید۔ جب وہ علم شریعت یا طریقت کا کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہو تو اس کی تشفی کر دینی چاہیئے۔ اگر خود اس کو حل نہ کر سکے تو جاننے

والوں کی نشاندہی کردیا کرے۔ وہ علمائے دین متین ہوں یا شیوخ طریقت۔ ابھی معلوم
ہوا کہ پیسہ مانگنے والے کو چلا دیا جا سکتا بھی ہے اور بعض وقت زجر بھی کیا جا سکتا ہے۔
لیکن طالب علم کو چلا دینا اہمیت رکھتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے :۔ من
سئل عن علم فکتمہ الجم بلجام من نار۔ جس کسی سے علم کا کوئی مسئلہ دریافت
کیا جائے اور وہ (اس کو جانتا ہو ابھی) اپنے علم کو چھپائے رکھے تو (روز قیامت)
اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی۔" اسی وعید میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کے پاس
احکام دین سے متعلق کوئی کتاب ہو اور کوئی اس کو مانگنے آئے تو مستعار دینے
میں بخل سے کام نہ لے۔ البتہ کتاب کی واپسی کا معقول اہتمام کرے۔ کیونکہ فی زمانا
لوگ کتابیں لے جاتے ہیں پھر واپس نہیں کرتے۔ اس سے علم ضائع ہوتا ہے۔

واما بنعمۃ ربك کی تفسیر

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ۔ اور جو احسان ہے
آپ کے پروردگار کا اس کو بیان کیجئے۔" شان نزول کے
سلسلہ میں اوپر عرض کیا گیا ہے کہ سلسلہ وحی چند روز تک منقطع رہا تھا جس پر کفار
طرح طرح کی چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اس کے بعد جب یہ سورت شریفہ نازل ہوئی اور
اس میں پروردگار کی نعم جلیلہ اور احسانات عظیمہ جو ابتداء سے آپ کے شامل حال رہے
ہیں اور آئندہ جن مدارج عالیہ اور مناصب فاضلہ پر فائز ہونے کا جو وعدہ دیا گیا ہے

ان کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ ان تمام نعمتوں کو ان کفار قریش سے بیان فرمائیے۔ تاکہ اللہ سبحانہ کے پاس آپ کی جو منزلت ہے ان کو معلوم ہو جائے۔ اس پر آپ نے کمال مسرت و شادمانی سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا جس سے آپ کے محبین و محبوبین خوش ہوں اور جن کے دلوں میں بغض و عناد اور حسد کی آگ لگی ہوئی ہو اس میں اور اضافہ ہو۔ اور حاسدین جل جل کر مریں۔ چنانچہ یہی سنت اب تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہیگی کہ اس سورت شریفہ سے لے کر قرآن کریم کے ختم ہونے تک جتنی سوتیں ہیں ان کے ختم پر یا آغاز پر مسلمان اللہ اکبر کہتے ہیں اور حضور اکرمؐ کی خوشی میں شریک ہوتے ہیں کہ یہ بھی شکر نعمت کی ایک صورت ہے۔

نعمت کا بیان کرنا بھی شکر ہے

شکر نعمت کے باب میں احادیث شریفہ بکثرت وارد ہیں۔ چنانچہ حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بر سر منبر ارشاد فرمایا:۔ من لم یشکر القلیل لم یشکر الکثیر و من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ والتحدث بنعمۃ اللہ شکر و ترکھا کفر والجماعۃ رحمۃ۔ (عبداللہ بن احمد بیہقی)

جس نے تھوڑے کا شکر ادا نہ کیا وہ بہت کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا اور جس نے

لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا وہ اللہ سبحانہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔ نیز اللہ سبحانہ کی نعمتوں کو (جو اپنے شامل حال رہیں) صرف بیان کرنا بھی شکر ہے۔ اور نعمت کو بیان نہ کرنا' ناشکری ہے۔ اور جماعت بھی اللہ سبحانہ کی رحمت و نعمت ہے"۔ مطلب یہ کہ نعمت تھوڑی ہو یا بہت نعمت ہے پھر وہ لوگوں کے ذریعہ پہنچے یا کسی کے توسط کے بغیر اللہ سبحانہ کے پاس سے راست پہنچے وہ صرف اللہ سبحانہ کی دی ہوئی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ ومابکم من نعمۃ فمن اللہ۔ اور تم کو جو نعمت بھی نصیب ہو بلا توسط یا بتوسط۔ وہ اللہ سبحانہ ہی کی طرف سے ہے"۔ اور ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ ادائے شکر کی ایک صورت یہ ہے کہ کم از کم اس کو بیان کر دیا جائے۔ نعمت کا اعتراف بھی ایک طرح سے شکر ہے۔ نعمت سے متمتع ہونا اور اس کو بیان تک نہ کرنا' نعمت کو چھپانا ہے جو ناشکری میں داخل ہے اور ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ تم کسی کے ساتھ ہوتے ہو یا کوئی اور شخص تمھارے ساتھ ہوتا ہے تو ان دونوں کے ملنے سے جماعت ہو گئی۔ اور جماعت بھی اللہ سبحانہ کی رحمت و نعمت ہے۔ اس پر بھی شکر کرنا چاہئے تاکہ جماعت کی برکت حاصل ہو اور کوئی ناگوار صورت پیدا نہ ہو۔ اور علامہ بغوی کی روایت میں ہے:۔ والجماعۃ رحمۃ اللہ والفرقۃ عذاب اللہ اور

جماعت میں اللہ سبحانہ کی رحمت ہے اور علیحدگی پسندی میں اللہ کا عذاب ہے۔"

نعمت کا بیان کس سے کیا جائے

رہی یہ بات کہ نعمت الٰہی سے سرفراز ہونے کا تذکرہ کس سے کیا جائے؟ حضرت سیدنا امام حسن علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیۂ کریمہ واما بنعمۃ ربک فحدث کی تفسیر میں فرمایا:۔۔ اذا اصبت خیرا فحدث اخوانک۔ (ابن ابی حاتم) ۔ جب تم کسی قسم کی بھلائی پاؤ تو اس کو اپنے بھائیوں سے بیان کرو۔" حضرت مقسم کہتے ہیں:۔ لقیت الحسن بن علی بن ابی طالب فصافحتہ فقال التقابل مصافحۃ المومن قلت اخبرنی عن قولہ واما بنعمۃ ربک فحدث قال الرجل المومن یعمل عملا صالحا فیخبر بہ اھل بیتہ۔ (ابن ابی حاتم' ابن مردویہ) حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے آپ سے مصافحہ کیا۔ فرمایا کہ دو مسلمانوں کا ایک دوسرے کے سامنے آجانا ہی مومن کا مصافحہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ واما بنعمۃ ربک فحدث کے معنی بتایئے فرمایا کہ بندۂ مومن جب کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کی اطلاع اپنے گھر والوں کو دیدیتا ہے۔" یعنی گھر میں کسی عمل صالح کا کرنا' خود گھر والوں کو اس کی اطلاع دینا ہے۔

شکر کا اجر وثواب

حضرت سنان بن سنیہ اپنے والد ماجد حضرت سنیہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کرتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔
الطاعم الشاکر له مثل اجر الصائم الصابر۔ (امام احمد ابن ماجہ، دارمی نیز ترمذی عن ابی ہریرہؓ) کھا پی کر شکر کرنے والے کے لئے اتنا ہی ثواب ہے جتنا دن بھر روزہ رکھ کر بھوک پیاس کی تکلیف پر صبر کرنے والے کا ہے۔" اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من صنع الیه معروف فلیجزبه فان لم یجد مایجزیه فلیثن علیه فانه اذا اثنی علیه فقد شکره وان کتمه فقد کفره ومن تحلّی بمالم یعطه کان کلابس ثوبی زور۔ (بغوی، ابوداؤد) جس کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے اس کو چاہیے کہ خود بھی اس کے ساتھ بھلائی کرکے اس کی جزا و مکافات کردے۔ اگر مکافات کے لئے اپنے ہاں کچھ نہ پائے تو اس کی شکر گزاری میں اس کی تعریف ہی کردے۔ کیونکہ جب وہ اس کی ثنا و صفت کرتا ہے تو وہ اس کا شکر ادا کر دیتا ہے اور جو اس کو چھپائے رکھے تو یقیناً اس کی ناسپاسی کی۔ اور جس کو کچھ نہیں دیا گیا اور اس نے خود کو آراستہ کرکے ایسا ظاہر کیا گویا کہ اس کو کسی نعمت خاص سے سرفراز کیا گیا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ نمائشی طور پر کوئی بے کمال شخص خود کو باکمال ظاہر کر رہا ہو۔"

متلبسین کی مذمت | فی زماننا دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ اہل علم سے نہیں

مگر خود کو اہل علم کی صورت اور لباس میں ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح کوئی مشائخ سے نہیں اور خود کو مشائخ کی صورت اور لباس میں ظاہر کرتے ہیں، یہ تلبیس ہے جس سے دوسروں کو دھوکہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اس وعید میں داخل ہیں۔ ان کو اس سے بچنا چاہیئے اور جو لوگ ان کے حال حقیقت سے واقف ہیں ان کو چاہیئے کہ خود کو ان سے بچائے رکھیں۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نشاید داد دست

کیا آپ نے دنیوی سلطنتوں میں مشاہدہ نہیں کیا کہ بعض دھوکہ دینے والے حکومت کے کسی عہدہ دار کی وردی پہن لیتے اور خود کو سرکاری عہدہ دار ظاہر کرکے دوسروں پر اثر ڈالتے اور ناجائز استحصال کرتے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ فعل مذموم ہے اسلئے حکومت ان کو گرفتار کرتی اور سزا دیتی ہے۔ یہی حال حکومت الٰہیہ کا سمجھ لیجئے کہ وہ اللہ سبحانہ کی گرفت اور سزا سے بچ نہ سکیں گے۔

خودستائی سے پرہیز کرنا چاہیے

حضرت ابو الاسود دئلی اور زوقان کندی کہتے ہیں:۔

قلنا لعلیؓ حدثنا عن اصحابك فذکرمناقبهم قلنا فحدثنا عن نفسك قال مهلاً نهی الله عن التزکیة فقال له رجل فان الله یقول واما بنعمة ربك فحدث قال فانی احدث

بنعمۃ ربی کنت واللہ اذا سألت اعطیت واذا سکتُّ ابتدئت۔

(طبرانی) ہم نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے عرض کیا کہ ہم سے اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کے احوال بیان فرمائیے۔ اس پر آپ نے ان کے فضائل اور مناقب بیان فرمائے۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ کچھ اپنے احوال بھی بیان کیجئے۔ تو فرمایا اس کو چھوڑو۔ اللہ سبحانہ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔

فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی۔ اپنے آپ کو سراہا نہ کرو۔ اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو پرہیزگار ہے) یہ سنکر ایک شخص نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ شانہٗ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اپنے پروردگار کی نعمت کا بیان کیا کرو۔" آپ نے فرمایا کہ میں بھی اپنے پروردگار کی نعمت کا بیان کرتا رہتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں جب اپنے پروردگار تعالیٰ سے کسی چیز کی درخواست کرتا ہوں تو مجھے وہ چیز عطا فرمائی جاتی ہے۔ اور جب کسی چیز کی عام طور پر حاجت ہوتی ہے اور میں سکوت اختیار کرتا ہوں تو سب سے پہلے مجھی کو وہ چیز عنایت ہوتی ہے۔" اس روایت میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خود ستائی (یعنی اپنی آپ تعریف کرنا) اور خود پسندی سے دور رہکر نعمت کا بیان ہونا چاہئے جس کا مقصد محض شکر نعمت ہو۔

بعض بزرگوں کی نسبت منقول ہے کہ کسی	بیان تحدیث نعمت کے سلسلہ میں بعض بزرگوں کے اقوال

شکر کے اقسام اور ادائے شکر کے طریقے	فقہائے کرام فرماتے ہیں: ۔ یجب الشکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بزرگ نے فرمایا: ۔ ما رأیت شیئًا الّا و رأیت اللہ معہ ۔ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اللہ سبحانہ کو اس کے ساتھ دیکھا" کسی نے یوں فرمایا: ۔ ما رأیت شیئًا الّا و رأیت اللہ بعدہ ۔ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اس کے بعد ہی اللہ سبحانہ کو دیکھا" کوئی یوں گویا ہوئے: ۔ ما رأیت شیئًا الّا و رأیت اللہ قبلہ ۔ میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اس سے پیشتر دیکھ لیا" کسی نے یہ فرمایا: ۔ ما رأیت شیئًا الّا و رأیت اللہ فیہ ۔ میری نظر کسی چیز پر نہیں پڑی مگر میں نے اللہ سبحانہ کو اس میں بھی دیکھ لیا" یہ ارشادات اپنے اپنے احوال اور مقامات کے اعتبار سے ہیں ۔ اور و امّا بنعمۃ ربّك فحدّث کی تعمیل میں ہیں ۔ اسی طرح حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہے: ۔ ما فی جُبّتی سوی اللہ ۔ میرے جُبّے میں اللہ اللہ کے سوا اور کچھ نہیں" یا حضرت قطب ربانی غوث الصمدانی سیدی الشیخ شیخ الکل سیدنا عبد القادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کا یہ ارشاد کہ قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کُلّ ولیّ للہ ۔ میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے" نیز حضرت غوث اعظمؓ کا یہ ارشاد کہ ؎

وَکلّ ولیّ لاقدامٍ وانّی ۔۔۔ علی قدم النبی بدر الکمال

علیٰ کل نعمۃ، والشکر صرف النعمۃ فی رضاء المنعم، فشکر نعمۃ المال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اولیاء اللہ میں سے ہر ولی ایک ایک نبی اللہ کے قدم پر ہیں اور ان کو ایک اتباع خاص حاصل ہے اور میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بقدم اور کامل اتباع پر ہوں جو آسمان نبوت و رسالت کے بدر کامل ہیں" یہ ارشادات بھی تحدیث نعمت ہی کی بنا پر ہیں گویا یہ بزرگوار اس وقت منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں کہ اپنے مرتبہ کمال کو بیان کر دیں۔ ہمیں چاہئے کہ ان ارشادات کو تحدیث نعمت پر ہی محمول کریں جیسا کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ انا سید ولد آدم ولا فخر۔ میں آدمؑ اور تمام بنی آدمؑ سب کا سردار ہوں۔ یہ فخر یہ نہیں کہہ رہا ہوں" اسی قبیل اور سلسلہ کے اور بھی ارشادات عالیات ہیں جن میں ہر نعمت کے بیان کے بعد ولا فخر فرما کر آپ نے صراحت فرما دی کہ یہ قول فخر و افتخار پر مبنی نہیں بلکہ واما بنعمۃ ربک فحدث کی محض تعمیل ہے۔ تاکہ امۃ مرحومہ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے آپ کو تمام انبیاء و مرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین پر کیا فضیلت اور برتری بخشی ہے تاکہ آپ کی اتباع و اقتدا کا جذبہ ترقی کرے اور فوز و فلاح دارین حاصل ہو۔

عوام کے لئے ایک تنبیہ | بہرحال تحدیث نعمت کے سلسلہ میں مذکورالصدر اقوال

صرفہا بالاخلاص فی سبیل الحق وشکر نعمۃ البدن اداء الواجبات والاجتناب عن المعاصی وشکر نعمۃ العلم والعرفان التعلیم والارشاد (مظہری) ہر نعمت پر شکر واجب ہے۔ اور شکر یہ ہے کہ نعمت کو منعم حقیقی کی رضا و خوشنودی میں صرف کیا جائے۔ لہٰذا مال کا شکر یہ ہے کہ اس کو راہ حق میں اخلاص کے ساتھ خرچ کیا جائے۔ اور بدن کا شکر یہ ہے کہ اس سے فرائض و واجبات کی ادائی میں کام لیا جائے اور گناہوں اور معاصی سے اس کو دور رکھا جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یا ایسی باتیں کہنے کا حق ان کاملین بزرگوں کو پہنچتا ہے جو نفس امارہ پر پوری طرح قابو رکھتے ہوں اور علم و عمل اور ریاضت نفس سے بہرہ وافر حاصل کیا ہو۔ پھر وہ ان باتوں کے کہنے پر مامور من اللہ ہوں۔ یہ کام ہر کس و ناکس کا نہیں ہے جو نہ علم صحیح رکھتا ہو اور نہ اعمال صالحہ سے اس کو واسطہ ہو اور نہ ریاضت نفس کیا چیز ہے اس سے واقفیت رکھتا ہو۔ با ایں ہمہ اگر کوئی ایسا کلام کرے تو اس کی یہ گفتگو محض لاف زنی اور انانیت ہوگی۔ اور بجائے تحدیث نعمت کے انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین کا مصداق ہوگی جو کہ ابلیس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کے حکم کے مقابلہ میں نہایت غرور اور تکبر کے ساتھ کہا تھا کہ میں اس آدم سے بدرجہا بہتر ہوں کہ آپ نے مجھکو آگ جیسے اشرف و اعلیٰ عنصر سے پیدا کیا اور آدم کو سڑی گلی مٹی سے بنایا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اور علم و عرفان بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کا شکر یہ ہے کہ دوسروں کو اس علم کی تعلیم دی جائے اور طالبان معرفت کو عرفان کی راہ دکھائی جائے " مطلب یہ کہ ظاہری نعمتوں کے بیان کے ساتھ باطنی نعمتوں کا بیان بھی بعض اوقات جائز قرار پاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنے اساتذہ اور شیوخ کا ادب کرے ان کا حق پہچانے۔ اور بھلائی کے ساتھ ان کا ذکر کیا کرے۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتا رہے۔ والدین کے باب میں اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

اساتذہ و شیوخ کا ادب

ولا تقل لهما أفٍّ ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا۔ اپنے والدین کو اُف تک نہ کہنا، اور نہ ان کو کبھی جھڑکنا، اور ان سے عزت کا کلام کیا کرنا، اور ان کے آگے ان پر رحم کھا کر اپنے تذلل کا بازو جھکائے رکھنا، (ان کے سامنے اکڑ کر نہ چلنا) اور یہ دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحم فرمائے جیسا کہ انھوں نے میرے لڑکپن میں میری پرورش اور تربیت کی تھی " نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

الآباء ثلاث من ولدك ومن زوجك ابنته ومن علمك وخير الآباء من علمك (الادب المفرد للبخاری) انسان کے باپ تین اشخاص ہوتے ہیں۔ ایک وہ

جس نے تم کو جنا (حقیقی باپ) دوسرا وہ جس نے اپنی دختر کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا (سُسرا) اور تیسرا وہ جس نے تم کو علم پڑھایا۔ اور ان تینوں آباء میں بہترین باپ وہ ہے جس نے تم کو تعلیم دی ہے (استاذ اور شیخ)۔ ماں باپ نے لڑکپن میں تربیت کی تھی۔ سُسرے نے جوانی میں تمہارے سکون راحت اور محبت ورحمت کے اسباب فراہم کئے اور استاذ وشیخ نے جبکہ تم بچے تھے یا جوان تھے یا بوڑھے ہوگئے تھے مگر علم وعرفان کے میدان میں بچے ہی تھے۔ تمہارے دین کی حفاظت کی اور تم کو اللہ کا بندہ بنایا۔ اور ماسوی اللہ کی غلامی سے نجات دلائی۔ لہذا نسبی باپ اور سببی باپ بھی باپ ہیں لیکن روحانی باپ کی شان ہی اور ہے۔ اللّٰھم اغفرلنا ولآبائنا ولامّھاتنا ولاصھارنا ولاساتذتنا ولشیوخنا وارحمھم آمین ثم آمین۔

حضورِ اکرم کی ایک درخواست ربّ العزت سے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ سألت ربّي مسئلة وددت انّي لم اكن سألته فقلت قد كانت قبلي الانبياء منهم من سخرت له الريح ومنهم من كان يحيي الموتى قال تعالى يا محمد الم اجدك يتيما فآويتك الم اجدك ضالّا فهديتك الم اجدك عائلا فاغنيتك الم اشرح لك صدرك الم اضع عنك وزرك الم ارفع لك ذكرك قلت بلى يا رب۔ (ابن ابی حاتم)

طبرانی، حاکم بروایت صحیحہ ابونعیم، بیہقی، ابن مردویہ ابن عساکر) اللہ سبحانہ تعالیٰ سے میں نے ایک معروضہ کیا کاش! میں وہ معروضہ نہ کیا ہوتا میں نے عرض کیا کہ مجھ سے پہلے بھی انبیاء (علیہم السلام) ہوئے ہیں۔ ان میں کوئی وہ تھے جن کے لئے آپ نے ہوا کو ان کے تابع فرمان بنادیا۔ اور کوئی وہ تھے جو مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ (وغیرہ وغیرہ)۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس پر ارشاد فرمایا: محمد! کیا ہم نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر آپ کو ٹھکانہ دیا؟ کیا ہم نے آپ کو خود رفتہ نہ پایا پھر آپ کو راہ دکھائی؟ کیا ہم نے آپ کو حاجتمند نہ پایا پھر آپ کو ہم نے بے نیاز کردیا؟ کیا ہم نے آپ کا سینہ نہ کھول دیا؟ کیا ہم نے آپ کا بوجھ نہ اتار دیا؟ کیا ہم نے آپ کا ذکر بلند نہ کیا؟ یہ سُن کر میں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے پروردگار! بے شک آپ نے مجھ پر یہ احسانات عظیمہ فرمائے اور اپنی نعمتوں سے مجھے سرفراز فرمایا۔

سورۂ والضحیٰ حضور پر اللہ سبحانہٗ کے احسانات کا مرقع

ٹھکانا دینا، ہدایت دینی اور بے نیاز کردینا یہ تین نعمتیں جن میں سے ہر ایک نعمت نعمتِ جلیلہ ہے ان کا بیان سطور بالا میں تفصیل کے ساتھ ہوچکا ہے۔ مابقی نعمتوں کا بیان سورت مابعد میں ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔ حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب سورت شریفہ والضحیٰ نازل ہوئی تو حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:۔ یمن علی ربی واھل ان یمن ربی۔ (ابن مردویہ دیلمی) اس سورت شریفہ میں میرے پروردگار نے مجھ پر اپنے احسانات عظیمہ کو جتایا (اور ایک ایک احسان کو گن گن بتایا ہے) اور اللہ ہی سزاوار ہو کہ اپنے احسانات جتائے" اور ایک ایک احسان کو گن گن بتائے۔

سورۂ والضحیٰ اولیائے کاملین کی سورتوں سے ہے

علامہ اسمٰعیل حقی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:۔ ھذہ السورۃ وسورۃ الانشراح درتان یتیمتان غالیتان لما فیھما من الحکم والمعارف ولذا کانتا ھما وسورۃ النصر من سور الکمل من الاولیاء۔ یہ سورۃ شریفہ والضحیٰ اور اس کے بعد والی سورت کریمہ یعنی سورہ انشراح یہ دونوں دو گوہر نایاب ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان میں معارف اور حکمتوں کے دریا بہائے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اور سورۂ نصر (اذا جاء نصر اللہ والفتح) اولیائے کاملین کی سورتوں سے یاد کئے جاتے ہیں" جو ہمیشہ ان بزرگوار کے پیش نظر اور ورد زبان رہتے ہیں۔

الحمد للہ کہ سورۂ ضحیٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔